بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

دعوت‘ تربیت اور اقامت دین

جماعت اسلامی کا منصوبہ عمل ۲۰۰۰

پروفیسر خورشید احمد

قرآن پاک کی ہر آیت ہدایت کا منبع اور نور کا سرچشمہ ہے۔ یہ کتاب حق اور صرف حق کا ایک نہ خشک ہونے والا سمندر ہے۔ یہ بھی اس قرآن کا معجزہ ہے کہ اس کی ایک ایک آیت میں ایسے حقائق کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے جن کا مکمل احاطہ فکر انسانی کی پوری تاریخ اور قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی صدیوں کی داستان بھی کماحقہ نہیں کر پاتے۔ ایسی ہی ایک آیت میں فرد اور گروہ‘ معاشرہ اور قوم‘ امت اور انسانیت کے عروج و زوال‘ بناؤ اور بگاڑ‘ ترقی اور تنزل‘ کامیابی اور ناکامی کے عمل (process) کی کنجی کو سنت الٰہی کے ایک بنیادی نکتے کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط (الرعد ۱۳:۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

آل فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کا ذکر کرتے ہوئے اسی اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ لا وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ (الانفال ۸:۵۳)

یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

دونوں آیات میں تبدیلی کا مدار "انفس" کی تبدیلی کو قرار دیا گیا ہے جو فرد یا قوم کے اندرون کی پوری دنیا پر حاوی ہے۔ گویا انفس ہی وہ زمین ہے جہاں عروج و زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے اور پھر یہی وہ بیج اور جڑ ہے جس سے تبدیلی اور انقلاب کا تناور درخت نشوونما پاتا ہے۔ تبدیلی محض بیرونی عوامل کا کرشمہ نہیں ہوتی' یہ اندر کے ایک گہرے اور ہمہ جہتی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قرآن حکیم پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "انفس" سے مراد اندر کی دنیا کا ایک پورا عالم ہے' بالکل اسی طرح جس طرح "آفاق" سے باہر کی دنیا کا عالم مراد ہے: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (حم السجدہ ۴۱:۵۳) عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی---- انفس میں وہ تمام قوتیں شامل ہیں جن کا اثر کسی نہ کسی شکل میں انسانی عزائم' اعمال اور اس کی سعی و جہد پر پڑتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں انفس عبارت ہے تمام ذہنی اور نفسی' اخلاقی اور عملی قویٰ سے---- تبدیلی اور انقلاب کا آغاز دل و دماغ اور ذہن و ادراک سے ایک اندرونی تبدیلی کی شکل میں ہوتا ہے جو ایمان و ایقان' افکار و احساسات' تصورات اور زندگی کے عزائم کی صورت میں فکر و عمل کی صورت گری کرتی ہے۔ یہی وہ صلاحیت ہے جس سے عروج و ترقی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ فرد ہو یا قوم' وہ اپنے اخلاق اور اعمال ہی کے ذریعے بلندی یا پستی سے ہم کنار ہوتی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے قرآن کے اس اصول کو بڑے سادہ اور دل نشیں انداز میں یوں بیان کیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

امت مسلمہ کے حالات پر نظر ڈالیے یا پاکستان کے پچھلے نصف صدی کے شب و روز کا تجزیہ کیجیے' صاف نظر آتا ہے کہ بیرونی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور شرانگیزیوں کو اگر کھل کھیلنے کا موقع ملا ہے تو وہ اسی اندرونی کمزوری کی وجہ سے۔ خرابی کی جڑ قلب و نظر کا فساد اور اندرون (انفس) کا بگاڑ ہے جس کی اصلاح کے بغیر صورت حال میں حقیقی تبدیلی کا امکان معدوم ہے۔ محض در و دیوار کی لیپاپوتی سے امت کے نشات ثانیہ کا حصول ممکن نہیں۔ بلاشبہ نظام کی اصلاح مطلوب بھی ہے اور ناگزیر بھی لیکن اس کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب اس کا نقطۂ آغاز اور محور و مرکز دلوں کی اصلاح' ایمان کی آبیاری اور انفرادی اور اجتماعی تقویٰ کا حصول اخلاق کی بہار ہو۔

مغربی تہذیب نے تبدیلی اور انقلاب کا جو فلسفہ پیش کیا ہے' اس کا سارا انحصار بیرون کی اصلاح اور معاشرے' ریاست اور معیشت کے نظام (structures) کی تبدیلی پر ہے جب کہ اسلام جس انقلاب کا داعی ہے' وہ "اندرون" کی اصلاح سے شروع ہو کر فرد اور معاشرہ دونوں کی مکمل قلب ماہیت کر دیتا ہے

اور اس طرح پورے نظام کی تبدیلی پر منتج ہوتا ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی کے بگاڑ کو اس سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتا ہے جس کا اظہار مغرب کی فکر و دانش میں کیا جاتا ہے لیکن اسلام کا دعویٰ اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اجتماعی بگاڑ کی اصلاح محض اجتماعی زندگی کے دروبست کو تبدیل کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں برائی نت نئے روپ دھار کر طرح طرح کی نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے اور مرض بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اجتماعی بگاڑ کی اصلاح کا راستہ بھی نفس کی اصلاح ہی کی وادی سے گزرتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے نہ سمجھ پانے کی وجہ سے مغربی تہذیب کے علم بردار اور محض سیکولر بنیادوں پر زندگی کی تعمیرنو کے داعی برابر تاریکیوں ہی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں اور انسانیت کے مصائب اور آلام کم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ عالم یہ ہے کہ:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

بیسویں صدی اپنے بہت سے مثبت اور منفی پہلوؤں کی وجہ سے یاد کی جائے گی لیکن عالم اسلام کے نقطۂ نظر سے دو پہلو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس صدی کا آغاز ایسے حالات میں ہوا کہ تقریباً پوری مسلم دنیا مغربی استعمار کے چنگل میں گرفتار تھی اور مغربی تہذیب کے علم بردار اس زعم میں تھے کہ اب ہمیشہ کے لیے وہی دنیا پر قابض رہیں گے۔ لیکن اس صدی کے اختتام تک مغربی استعمار کا سورج تقریباً غروب ہو گیا اور خود اس تہذیب کے بطن سے ایسے ایسے تضادات اور حوادث رونما ہوئے جن کے نتیجے میں اس تہذیب کا رعب ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اس کی چولیں تک ہل گئیں اور اقبال کی اس پیش گوئی کے پورا ہونے کے آثار نظر آنے لگے:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپایدار ہو گا

دوسری طرف عالم اسلام کو مغربی استعمار کا پردہ چاک کر کے دوبارہ عالمی سیاسی و معاشی اُفق پر ابھرنے کا موقع ملا۔ احیا کی اس پوری جدوجہد کی اصل نظریاتی اور اخلاقی جڑیں ان دینی تحریکوں کی دعوت کی مرہون منت ہیں جو سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد اسلامی دنیا کے مختلف حصوں، خصوصیت سے عالم عربی اور برعظیم میں رونما ہوئیں اور جن کا ہدف منہاج نبویؐ کے مطابق دور حاضر میں دین کی اقامت اور انفس کے اصلاح

کے ذریعے آفاق کی تعمیرنو ہے اور نہ صرف امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کو نئی زندگی اور نیا نظام دینا ہے۔

اسلام کی اس دعوت کو تحریک اسلامی اس لیے کہا گیا کہ صدیوں کے جمود کو توڑ کر اسلام کو پھر اسی طرح ایک دعوت اور پیغام کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جس طرح سرورعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاے راشدین اور صحابہ کرامؓ نے پیش کیا تھا۔ قول و فعل کی ہم آہنگی' اللہ کی رضا اور اس کے دین کے قیام کو ہر دوسری مصلحت پر غالب رکھنا اور فرد کے فکرو نظر اور سیرت و اخلاق سے لے کر معاشرے کے ہر ہر پہلو کی اصلاح اس کا ہدف اور مزاج ہے۔ یہ ایک ہمہ گیر دعوت ہے جس کا مقصد زندگی کے ہر شعبے میں اہل ایمان کی قیادت میں شریعت کے مطابق اسلام کے نظام عدل و صلاح کا قیام ہے۔ اس تحریک نے دین و دنیا کی تفریق اور مذہب اور سیاست کی دوئی کے جاہلانہ تصورات کو چیلنج کیا اور شریعت کے نفاذ اور اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کی۔ لیکن نظام کی تبدیلی کی یہ جدوجہد مغربی ماڈل پر نہیں بلکہ خالص اسلامی منہج پر ہے جس کی جڑیں ایمان' عمل صالح' انفرادی اور اجتماعی تقویٰ اور دعوت الی الخیر میں ہیں۔ قانون اور نظام کی اصلاح' اس ہمہ گیر جدوجہد کا ایک لازمی حصہ ہے اور یہ اس لیے کہ اجتماعی زندگی کی اصلاح کے بغیر انقلاب کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن نظام کی تبدیلی ایک وسیع تر تبدیلی کا حصہ ہے' اس سے ہٹ کر اس کا کوئی وجود نہیں۔

اجتماع کی اصلاح اور اسلامی حکومت کے قیام پر زور دینے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ دو سو سال اسلامی تاریخ کا وہ منفرد دور ہے جب اسلام اور ملت اسلامیہ قوت و اقتدار سے محروم ہوگئی اور اس کی گرفت رفتار زمانہ پر ڈھیلی پڑ گئی۔ جو امت گیارہ بارہ سو سال تک ایک عالمی طاقت رہی وہ عملاً مغلوب اور محکوم ہوگئی۔ بالآخر ۱۹۲۴ میں خلافت عثمانیہ کی تحلیل سے وہ عالمی سیاسی اُفق پر سے معدوم کر دی گئی۔ فطری طور پر جو چیز چھین لی گئی ہو اس کی بازیافت کو نئی جدوجہد میں ایک مرکزی اہمیت حاصل ہونی چاہیے تھی اور ملّی زندگی میں جہاں خلا واقع ہو گیا تھا اسے بھرنے کی ضرورت کو نمایاں کرنا اور ابھارنا وقت کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تحریکات کے پروگرام میں امت کی سیاسی آزادی اور مخازن قوت کی اسلامی تسخیر کو اہمیت حاصل ہوئی۔ لیکن اسلامی تحریکات کا یہ پروگرام ایک وسیع تر پروگرام کا حصہ ہے جو فرد کی اصلاح' معاشرے کی تعمیرنو' خیر کی قوتوں کی تنظیم بندی' نئی صالح قیادت اور اسلامی بنیادوں پر زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر سے عبارت ہے۔ یہ محض "سیاسی اسلام" کا کوئی روپ نہیں' اسلام کی اصل دعوت کو دورحاضر کے تناظر میں کسی سمجھوتے اور کسی مداہنت کے بغیر پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ان تحریکات کے امتیازی کردار کو سمجھے بغیر ان پر فتویٰ زنی حق و انصاف سے روگردانی اور دور حاضر میں دعوت و تربیت

کی مسائل اور ان کے تقاضوں کو سمجھنے میں ناکامی ہے۔

جس طرح ڈاکٹر یا حکیم مریض کو وہی دوا دیتا ہے جو مرض کا مداوا کر سکے اور وہی مقویات تجویز کرتا ہے جن کی کمی ہو' اسی طرح تحریکات اسلامی نے بھی ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو نظروں سے اوجھل یا معدوم ہو گئے تھے۔

مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان نے اپنے جنوری ۲۰۰۰ کے اجلاس میں جو منصوبہ منظور کیا ہے اس کا دیباچہ' جماعت اسلامی ہی نہیں' عالم اسلام کی اسلامی تحریکات کے مزاج اور منفرد کردار کا مختصر مگر جامع بیان ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ جس میں تحریک اسلامی کی پوری شخصیت کو بہ یک نظر دیکھا جا سکتا ہے۔

ہمارے پیش نظر پوری انسانی زندگی کی حقیقی اصلاح و فلاح ہے۔ ہم نہ محدود معنوں میں مذہبی جماعت ہیں کہ جس کی دلچسپیاں صرف اعتقادی و فقہی اور روحانی و اخلاقی مسائل سے متعلق ہوں اور اجتماعی زندگی کے بناؤ اور بگاڑ پر اثرانداز ہونے کی عملی کوشش کرنا جس کے دائرہ فرض سے خارج ہو۔ اور نہ ہی ان معنوں میں سیاسی جماعت کہ جس کی سرگرمیوں کا ہدف ہر حال میں اقتدار کی غلام گردشوں تک رسائی ہو۔ ہم پورے کے پورے دین حق کے علم بردار ہیں جو دعوت و تربیت کے عمل سے گزر کر ایک مکمل نظام عدل کی شکل میں عملاً نفاذ بھی چاہتا ہے۔ ہم جس پیغام ہدایت و فلاح کے امین ہیں وہ اشخاص اور گروہوں کی دوستی اور دشمنی سے بالاتر ہے۔ ہم کسی فرد' گروہ یا طبقے کے مخالف نہ کبھی تھے نہ آج ہیں۔ فی الحقیقت ہم اپنی پوری قوم بلکہ پوری انسانیت کے بہی خواہ ہیں حتیٰ کہ وہ تمام عناصر جو ہمارے مشن کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمیں خواہ مخواہ اپنا دشمن تصور کر بیٹھے ہیں ہم ان کے لیے بھی اپنے ذہن کے کسی گوشے میں خیرخواہی کے سوا کوئی جذبہ نہیں رکھتے۔ ہم الدین النصیحۃ کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔

جس طرح ہماری دعوت ایک اصولی انقلاب کی دعوت ہے اسی طرح ہماری کش مکش بھی ایک اصولی کش مکش ہے۔ دعوت و کش مکش کے اس سارے کام سے ہمارا اصل مطلوب خدا پرست' خدا کی رضا ہی کے طالب اور بے لوث انسانوں کو تیار کرنا' ان کو منظم کرنا اور ان کو تربیت دے کر احیاے اسلام کے کام میں لگانا ہے جو اپنے ذاتی مفاد سے قطع نظر کر کے بے لوثی کے ساتھ تعمیر ملت اور اصلاح امت کا عظیم فریضہ سرانجام دے سکیں اور جن کے ذریعے ایک طرف ہم عوام کی صحیح ذہنی اور اخلاقی نشوونما کا کام کر سکیں اور دوسری طرف سیاسی نظام اور معاشی ادارت کو اسلامی تصورات کے ڈھانچے میں ڈھال سکیں۔ ہر کارکن کو اور بالخصوص ہر سطح

کے ذمہ دار کو سال کے آغاز میں اپنا منصوبہ عمل تیار کرتے ہوئے ان بنیادی حقیقتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

سب سے پہلے ذہنوں میں اس بات کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ دعوت کیا ہے جس طرف جماعت اسلامی پاکستان اپنے اہل وطن اور پوری امت مسلمہ کو' اور بالآخر پوری انسانیت کو' بلاتی ہے۔ اس کی دعوت نہ کسی شخصیت کی طرف ہے اور نہ کسی مخصوص مسلک کی طرف۔ اس کی دعوت صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کے رسولؐ کی پیروی کی دعوت ہے۔ یہ اسی راستے کی دعوت ہے جس کی طرف تمام انبیا کرام نے انسانیت کو بلایا اور جس کا آخری نمونہ اسوۂ محمدیؐ میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ دنیا کی زندگی کو آخرت کی کامیابی کے تابع کرنے کی دعوت ہے۔ یہ دین کے کسی جز یا اخلاق کے ایک یا چند پہلوؤں کی نہیں' پورے دین اور پوری زندگی کو صبغۃ اللہ میں رنگ دینے کی دعوت ہے۔ یہ جزئیات اور فروع میں گم ہونے کی نہیں بلکہ دین کی حقیقی ترجیحات کو قبول کرنے' اہم اور اولیت کی حامل چیزوں کو اولیت کا درجہ دینے اور تفصیل اور فروع کو اس کے اپنے مقام پر رکھنے کی دعوت ہے۔ یہ مسجد اور میدان کارزار' خانقاہ اور جہاد' مدرسہ اور کاروبار حیات' ذکر و فکر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک لڑی میں پرونے اور ایک مربوط جہاد زندگانی کے ناقابل تقسیم اجزا بنانے کی دعوت ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جسے اپنے اور پرائے دونوں ہی غتربود کر دیتے ہیں اور تحریکی ترجیحات کو اپنے اپنے ذاتی ذوق کے مطابق نہ پا کر نکتہ سنجی فرمانے لگتے ہیں۔ "سیاسی اسلام" "راہ تقویٰ سے انحراف" اور "مسلک سلف سے فرار" کے طعنے دیے جانے لگتے ہیں۔ ان تمام کرم فرمائیوں پر دعوت اسلامی کے علم برداروں کا ردعمل مخاصمانہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ پوری خود احتسابی کے ساتھ اپنی دعوت اور اس کے ہمہ پہلوؤں کی مخلصانہ پابندی اور وفاداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ صحیح مثالیہ (model) سامنے آسکے اور زبان حال سے غلط اندیشیوں کی تردید ہو سکے۔

اس دعوت کا خلاصہ بانی تحریک نے دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات میں یوں بیان کیا ہے:

۱۔ یہ کہ ہم بندگان خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرلے' یا اس کو ماننے کا دعویٰ اور اظہار کرے' اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کرے' اور جب وہ مسلمان ہے یا بنا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

۳- یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہنمائی میں چل رہا ہے' اور معاملات دنیا کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے' ہم دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہ نمائی و امامت' نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین صالحین کے ہاتھوں میں منتقل ہو۔

اس دعوت کو جماعت اسلامی کے دستور میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اقامت دین سے مقصود دین کے کسی خاص حصے کی اقامت نہیں ہے بلکہ پورے دین کی اقامت ہے' خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے' نماز' روزہ اور حج و زکوٰۃ سے ہو یا معیشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے' اسلام کا کوئی حصہ بھی غیر ضروری نہیں ہے۔ پورے کا پورا اسلام ضروری ہے۔ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اس پورے اسلام کو کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کے جس حصے کا تعلق افراد کی اپنی ذات سے ہے' ہر مومن کو اسے بطور خود اپنی زندگی میں قائم کرنا چاہیے۔ اور جس حصے کا قیام اجتماعی جدوجہد کے بغیر نہیں ہو سکتا' اہل ایمان کو مل کر اس کے لیے جماعتی نظم اور سعی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگرچہ مومن کا اصل مقصد زندگی رضاے الٰہی کا حصول اور آخرت کی فلاح ہے' مگر اس مقصد کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے مومن کا عملی نصب العین اقامت دین اور حقیقی نصب العین وہ رضاے الٰہی ہے جو اقامت دین کی سعی کے نتیجے میں حاصل ہو گی۔

فرد اور معاشرے کی اصلاح اور بالآخر انقلاب قیادت اور اسلامی نظام عدل و مساوات کے قیام کا یہ کام بہ یک وقت دو جہتوں سے مساعی کا متقاضی ہے۔ اپنی اصلاح' ایک دوسرے کی اصلاح' اور نظام زندگی اور قوت و اقتدار کی اصلاح ایک ہی کوشش اور جدوجہد کے مختلف رخ اور پہلو ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت اور تکمیل کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ الگ الگ دنیائیں نہیں ہیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف ہر فرد کو یہ دعوت دی جائے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے' اس سے کیے ہوئے عہد (کلمہ طیبہ) کے تقاضوں کو جاننے اور پورا کرنے کی کوشش کرے' اپنی' اپنے خاندان' اہل و عیال اور اہل محلہ کی اصلاح کی کوشش کرے' اللہ کے تمام بندوں تک پہنچے اور انھیں بندگی کی زندگی کی دعوت دے' وہیں' اس بات کی ضرورت ہے کہ اجتماعی زندگی کے نظام اور محرکات کو اسلامی زندگی کے قیام اور فروغ کے لیے استعمال کیا جائے۔ تمام اجتماعی قوتوں' اور خصوصیت سے ریاست کے وسائل کو' ایمان کی آبیاری' صالحیت کے فروغ' نواہی کے خاتمے اور

معروف کے قیام کے لیے استعمال کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں، ایک طرف "خود اپنے کو بدلو" کی کوشش ہو تو دوسری طرف اجتماعی ماحول اور ریاست کے وسائل، اوامر کے نفاذ اور بدی، ظلم اور طغیان کے استیصال کے لیے استعمال ہوں تاکہ خدا کی زمین پر خدا کی مرضی پوری ہو سکے اور اس کا قانون جاری و ساری ہو سکے۔ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے معاون اور تکمیل کرنے والے ہیں۔ ان میں "یہ یا وہ" (or either) کا تعلق نہیں بلکہ یہ دو جڑواں بھائیوں کی طرح ہیں، جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

الاسلام والسلطان اخوان توامان لا یصلح واحد منھا الا لصاحبہ فالاسلام اسس والسلطان حارس وامالا اس لہ یھدم وما لاحارس لہ ضائع (کنز العمال)

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں، دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جا سکتا ہے۔

آج کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ اسلام کی یہ عمارت اپنے ارکان کی بنیاد پر معاشرے میں مستحکم ہو اور حکومت و ریاست اس کی نگہبانی کی ذمہ داری موثر انداز میں ادا کرے۔

اصلاح فرد و معاشرہ اور اصلاح حکومت اور انقلاب قیادت ایک ہی جدوجہد کے دو پہلو اور محاذ ہیں اور ہر محاذ اپنی جگہ اہم اور دوسرے محاذ کو تقویت دینے والا ہے۔ دعوت و تربیت کا ہدف یہ دونوں محاذ ہیں۔ کسی ایک کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ عوامی اصلاح اور تربیت، جماعت اسلامی کے لائحہ عمل کا اتنا ہی اہم پہلو ہے جتنا انقلاب قیادت اور اسلامی حکومت کا قیام۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ۱۹۵۱ میں لائحہ عمل کے جو چار نکات پیش کیے تھے اور پھر ۱۹۵۷ میں جن کو جماعت کی پالیسی کا مرکز و محور قرار دیا گیا تھا انھیں آج تک جماعت کی حکمت عملی میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ۲۰۰۰ء کے منصوبہ عمل میں اس پروگرام پر موثر عمل کو جماعت کے دعوت و تربیت کے اس سال کا ہدف قرار دیا گیا ہے۔ مولانا مرحوم کے الفاظ میں اس کام کے بڑے بڑے شعبے اور پہلو یہ ہیں جن کی تذکیر، دعوت و تربیت کے اس سال کی مناسبت سے ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ ہدف اور وژن میں کوئی ابہام نہ رہے۔

(الف) مذہبی گوشے میں کارکنان جماعت کو یہ کام کرتے ہوں گے:

۱۔ عوام الناس کو اطاعت خدا و رسولؐ کی طرف بلانا، ان میں آخرت کی بازپرس کا احساس بیدار کرنا، ان کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرنا، اور انھیں اسلام کی حقیقت سمجھانا۔

۲۔ عام لوگوں کو ان ضروری احکام دینی سے باخبر کرنا جن کا جاننا مسلمانوں کی سی زندگی بسر کرنے

کے لیے ناگزیر ہے۔

۳۔ مساجد کی حالت درست کرنا اور ان کے لیے مسلم معاشرے میں مرکزی اہمیت پیدا کرنا۔

۴۔ مذہبی جھگڑوں کو روکنا اور لوگوں کو اس کش مکش کے نقصانات کا احساس دلانا۔

(ب) اخلاقی گوشے میں ہمارے کارکنوں کو تین کاموں پر اپنی قوت صرف کرنا ہوگی:

۱۔ غنڈا گردی کا انسداد، ۲۔ ہر قسم کے فواحش کا انسداد، ۳۔ رشوت و خیانت کی روک تھام۔

ان اغراض کے لیے ہم صرف اخلاقی تلقین ہی پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے بلکہ معاشرے کے شریف عناصر کو ان برائیوں کے مقابلے میں منظم کر کے ان کے خلاف عملی جدوجہد بھی کرنا چاہتے ہیں۔

(ج) معاشی گوشے میں ہم کوشش کریں گے کہ تین طرح کی خدمات انجام دی جائیں:

۱۔ توخذ من اغنیاء ھم فترد علٰی فقراء ھم کے شرعی اصول پر بستیوں کے غریبوں، محتاجوں اور معذوروں کی باقاعدہ اعانت کا انتظام اور اس کے لیے انھی بستیوں کے ذی استطاعت لوگوں سے مدد لینا۔

(د) سرکاری محکموں اور اداروں سے عام لوگوں کی شکایات رفع کرانا اور دادرسی حاصل کرنے کے معاملے میں جس حد تک ممکن ہو، ان کی مدد کرنا۔

(ر) بستیوں کے لوگوں میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ پیدا کرنا تاکہ خود ہی مل جل کر اپنی بستیوں کی صفائی اور راستوں کی درستی اور حفظان صحت کا انتظام کر لیا کریں۔

(ز) تعلیمی گوشے میں ہماری کوشش یہ ہوگی:

۱۔ بستیوں اور محلوں میں دارالمطالعے کھولنا۔

۲۔ تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کرنا۔

۳۔ جہاں جہاں بستیوں کے لوگ مالی ذرائع فراہم کرنے پر تیار ہوں وہاں ایسے پرائمری اسکول قائم کرنا جن میں سرکاری نصاب پڑھانے کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی ہو۔

جماعت اسلامی کے سامنے ایک مکمل اسلامی معاشرہ اور ریاست کا قیام ہے اور اس کے کارکن اس جدوجہد کو وقت کا اہم ترین چیلنج سمجھتے ہیں۔ وہ دلوں کی نگری کو ایمان اور احتساب سے منور کر کے پورے معاشرے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے منور کرنا چاہتے ہیں اور ساری جدوجہد اللہ کے بھروسے پر اس یقین کے ساتھ انجام دے رہے ہیں کہ:

جان چو دیگر شد، جہاں دیگر شود

اس منصوبے کا ایک مرکزی نکتہ قرآن کی طرف دعوت اور قرآن کے ذریعے زندگی اور نظام زندگی کو بدلنے کا عزم اور سعی ہے۔ الحمدللہ اس وقت بھی مطالعہ قرآن کے ہزاروں حلقے مردوں میں اور خواتین میں قائم ہیں۔ ہدف یہ ہے کہ پورے ملک میں مردوں اور عورتوں کے لیے بہت بڑی تعداد میں قرآن سرکل قائم کیے جائیں۔ جگہ کی قید نہیں' گھر کی بیٹھک ہو' مسجد کا دالان ہو' مدرسہ کا حجرہ ہو' کالج کی کلاس ہو' درخت کی چھاؤں ہو یا کیمونٹی ہال کی آسایش--- اسے قرآن کے اجتماعی مطالعے کا گہوارہ بنا دیا جائے۔ چھوٹا اجتماع ہو یا بڑا مجمع--- ہر مسلمان مرد اور عورت اور بچے اور جوان کو آمادہ کیا جائے کہ قرآن سے اپنا رشتہ جوڑے' اس کے معنی و مفہوم کو سمجھے اور اسے اپنے لیے کتاب ہدایت بنا لے۔ لمبی چوڑی علمی بحثوں اور تفسیری محفلوں کا اپنا مقام ہے اور ان کی افادیت سے انکار ممکن نہیں لیکن اس پروگرام کا اصل مقصد ہر مسلمان کو' خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا ناخواندہ' قرآن پاک کو پڑھنے اور اس کے ترجمے اور مفہوم سے واقفیت پیدا کرنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ مسلمانوں کی طاقت کا اصل سرچشمہ اللہ کی یہی کتاب ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے اس کا دامن تھاما اور اس کے پیغام کو لے کر اٹھے وہ بلندیوں اور کامیابیوں سے شادکام ہوئے اور جب بھی وہ اس سے غافل ہوئے وہ پستیوں اور ذلتوں کی طرف لڑھک گئے۔ سب سے سچے انسان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللّٰہ یرفع بھذا الکتب اقواما ویضع بہ آخرین (مسلم) بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن پاک) کی بدولت بہت سی قوموں کو بام عروج پر پہنچائے گا اور اس (کو ترک کرنے) کے باعث دوسروں کو رسوا کردے گا۔ اقبال نے اس حقیقت کو اپنے خاص انداز میں بیان کیا ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآن زندہ است

اس کتاب پر ثبات نے دور اول میں مسلمانوں کو اوج ثریا سے ہم کنار کیا تھا اور یہی آج بھی ان کی قسمت بدل سکتی ہے اور انھیں ذلت اور پستی سے نکال کر امامت اور قیادت کے اعلیٰ مقامات پر متمکن کر سکتی ہے۔ سچ کہا امام مالکؒ نے: لَا یَصْلَحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الامۃ اِلاَّ بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا اس امت کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی مگر اس طریقے کے اختیار کرنے سے جس سے اس کے اولیں دور میں ترقی اور اصلاح پائی--- اور وہ ہے قرآن!

منصوبہ عمل ۲۰۰۰ میں قرآن کی تعلیم کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کو باترجمہ پڑھنا اور اس کے

پیغام کو سمجھنا اور سمجھانا' نیز اس کام کو انجام دینے کے لیے ہر ضلع میں ایسے افراد کو تیار کرنا جو صحت کے ساتھ قرآن پڑھ سکیں' دوسروں کو پڑھا سکیں اور اس کا مطلب سمجھا سکیں۔ دعوت و تربیت کے اس سال کا اصل پروگرام قرآن سے اس رشتے کو مضبوط کرنا اور اس کے ذریعے قوم کو روشنی کی راہ دکھانا اور اپنی کھوئی ہوئی منزل کی طرف گامزن کرنا ہے۔

گھر کی اصلاح اور خاندان کے یونٹ کو اقامت دین کی جدوجہد کا بنیادی پتھر بنا دینا اس کا دوسرا ہدف ہے۔ خاندان کی بنیاد محض ایک رسمی رشتہ نہیں۔ یہ تہذیب کا گہوارہ اور اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے سب سے اولیں اور کارفرما ادارہ ہے۔ شریعت میں ایمانیات اور عبادات کے بعد سب سے زیادہ ہدایت جس ادارے کے بارے میں ہے وہ خاندان ہی کا ادارہ ہے۔ خود حضور پاکؐ کو دعوت کے باب میں ہدایت فرمائی گئی کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (الشعراء ۲۶:۲۱۴) (پس اے نبیؐ) اپنے قریب ترین رشتے داروں کو ڈراؤ---- تمام مسلمانوں سے فرمایا گیا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم ۶۶:۶) اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے---- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان والدین کو جنت کی بشارت دی جو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں اور جو امانت ان کو سونپی گئی ہے اسے پورا پورا ادا کر دیں۔

آج خاندان کا نظام اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہے۔ اپنوں کی جہالت اور غفلت اور بیرونی دشمنوں کی ہمہ گیر یلغار دونوں کے باعث دین و تہذیب کا یہ حصار تباہی کی زد میں ہیں۔ اس قلعے کی حفاظت اور اسے ایک بار پھر اسلامی قوت کا منبع بنانا ہماری اولیں ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان خواتین کا کردار سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن وہ اپنا کردار اسی وقت ادا کر سکتی ہیں جب ہم ان کے حقوق پورے پورے ادا کریں اور انھیں عضو معطل بنا کر نہ رکھیں بلکہ ان کو وہی مقام دیں اور مواقع فراہم کریں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو مطلوب ہیں۔ قرآن حق و باطل کی کش مکش کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کو ایک ہی زبان میں خطاب کرتا ہے اور ایک ہی ذمہ داری کو ادا کرنے کی طرف بلاتا ہے' لیکن ہم قرآن کی اس پکار کو غفلت سے نظرانداز کر دیتے ہیں۔

جماعت اسلامی کے دعوت و تربیت کے پروگرام میں گھر کی اصلاح' اہل خاندان اور قرابت میں دعوتی کام اور مردوں اور خواتین کا دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں کو اپنے اپنے دائروں' صلاحیتوں اور امکانات کے مطابق انجام دینے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

اس پروگرام کا ایک اور بڑا اہم حصہ بامقصد اور اسلامی اقدار پر مبنی تعلیم کا فروغ ہے۔ موجودہ تعلیمی صورت حال میں ضروری ہوگیا ہے کہ اہل خیر اچھی اور اسلامی اقدار پر مبنی تعلیم کی فراہمی کا انتظام نجی شعبے میں کریں اور ایک ایسی ملک گیر تعلیمی تحریک برپا کریں کہ ایک متبادل صحت مند نظام وجود میں آ جائے۔ سرکاری سطح پر اصلاح کے امکانات کم سے کم ہونے کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ملک و ملت کے بہی خواہ اوپر سے تبدیلی کا انتظار کیے بغیر اپنی نسل کو آگ کی لپیٹ سے بچانے اور اپنے دین و ثقافت کی حفاظت کے لیے جس طرح بیرونی استعمار کے دور میں اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے خود کوشاں ہوئے تھے' اسی طرح اندرونی استعمار سے ٹکر لینے کے لیے خود ہی اپنے بچوں کی بہتر تعلیم کا بندوبست کریں۔ جماعت اسلامی نے "اسلامی نظامت تعلیم" قائم کی ہے اور صوبائی اور مقامی سطح پر وقف کی بنیاد پر' یا خود کفالت کے نظام کے تحت ملک بھر میں اچھے تعلیمی اداروں کا ایک جال بچھا دینا چاہتی ہے۔ الحمدللہ' پچھلے چند برسوں کی کوشش سے کئی ہزار پرائمری اور سیکنڈری اسکول اس منصوبے کے تحت قائم ہوئے ہیں۔ اس سال ان میں خاطرخواہ اضافے کی کوشش کی جائے گی اور جن شہروں یا دیہات میں ابھی ایسے ادارے قائم نہیں ہو سکے ہیں وہاں مقامی آبادی اور اہل خیر کے تعاون سے جلد از جلد ان کے قیام کا اہتمام کیا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ جس طرح مغرب کے زیراثر تعلیمی تحریک نے بقول اقبال' تعلیم کے "تیزاب" میں مسلمان قوم کی خودی کو ڈال کر اپنے مفید مطلب انداز میں بگاڑنے کی کوشش کی' یہ اصلاحی تحریک اس قوم کی نئی نسلوں کو پھر اسلام کا سپاہی اور پاسبان بنانے میں اہم کردار ادا کرے گی اور ان شاء اللہ "دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے"۔

حکومت کی تعلیمی پالیسی پر تنقید' اس کی ناکامیوں کا احتساب اور صحیح نظام تعلیم کا مطالبہ اسی طرح جاری رہے گا لیکن اپنی مدد آپ کے تحت ایک متبادل نظام بھی قائم کرنا ضروری ہے۔

معاشرے سے ظلم و طغیان' فتنہ و فساد اور فحاشی اور عریانی کا خاتمہ' اور مظلوم کی مدد اور ظالم کا ہاتھ روکنے اور ظلم کے خلاف فضا بنانے کی کوشش بھی اس پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ لوگوں میں اپنے حقوق کا احساس پیدا کرنا اور حق کے لیے کھڑے ہونے کا داعیہ اور حوصلہ پیدا کرنا بھی تحریک اسلامی کے اہداف میں سے ہے۔ دعوتی اور تربیتی پروگرام میں معاشرے کی اصلاح کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرنا اور اس کام کو انجام دینے کے لیے مردان کار تیار کرنا ایک مشکل لیکن ضروری کام ہے۔ سیاسی بیداری اور ہر سطح پر نئی اور صاف ستھری قیادت ابھارنا بھی اسی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ ممبرسازی' رابطہ کمیٹیوں کا قیام اور مجالس

مشاورت کی تشکیل کا مقصد یہی ہے۔ یہ تمام کام اس لیے انجام دیا جا رہا ہے کہ ایک خادم دین اور خادم عوام قیادت ابھر سکے اور بالآخر ملک کی زمام کار ان لوگوں کے ہاتھوں میں آسکے جو شراور فساد' رشوت اور غبن' حقوق کی پامالی اور ظلم و استحصال کا خاتمہ کر سکیں اور معاشرے میں خیر اور فلاح کو عام کر سکیں۔

یہ وہ تحریک ہے جو دعوت و تربیت کے ذریعے معاشرے کی اصلاح' اور نئے مردان کار کی تیاری کرے گی تاکہ ان کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعے نئی قیادت بروے کار آئے اور اجتماعی نظام بشمول نظام حکومت تبدیل ہو۔ اگر اس کا نقطۂ آغاز اپنی اصلاح ہے تو نظام کی اصلاح اور زمانے کی رو کی تبدیلی اس کا متوقع ہدف ہے۔ اور یہ سارا کام کسی دنیوی منفعت کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا' اللہ کے بندوں کی خدمت اور آخرت کی کامیابی کے لیے انجام دیا جانا چاہیے۔ اگر یہ سارا کام اور ساری تگ و دو صرف اللہ کے بھروسے پر انجام دی جائے تو ان شاء اللہ لازماً ثمرآور ہو گی۔

ہم نے ۲۰۰۰ء کے منصوبہ عمل کے صرف چند پہلوؤں پر گفتگو کی ہے۔ پورا منصوبہ تحریک کی دعوت کے مختلف پہلوؤں کا کماحقہ' احاطہ کرتا ہے اور کارکنوں کو اپنی منزل کی طرف گامزن ہونے کے لیے واضح خطوط کار فراہم کرتا ہے۔ ہر منصوبہ محض کاغذ کا ایک پرزہ ہے اگر اس پر عمل نہ ہو اور اس کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے تن' من' دھن کی بازی نہ لگا دی جائے۔ ہماری دعوت اور ہمارے منصوبے کی کامیابی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی استعانت کے بعد کارکنوں کے جذبہ' محنت اور قربانی پر ہے۔ یہ جہاں ایک طرف "اپنی اصلاح آپ" کا نسخہ ہے' وہیں دوسروں کی اصلاح اور خدمت اور معاشرے کی تعمیرو تشکیل نو کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے پہلی ضرورت اللہ پر بھروسہ' اس کے دامن کو تھامنا' اس سے اپنا رشتہ مضبوط اور گہرا کرنا' اس کی رضا کی طلب اور اس کی محبت کی خواہش ہے۔ جتنا یہ جذبہ مضبوط اور صائب ہو گا اتنا ہی ہمارا راستہ آسان ہو جائے گا۔

اس کے لیے دوسری ضرورت خود اپنے کو تیار کرنا ہے۔ اگر شمع خود روشن نہ ہو تو دوسروں کو روشنی کیسے پہنچائے گی۔ اگر برف میں برودت اور آگ میں حرارت نہ ہو تو دوسروں کو ٹھنڈک یا گرمی کیسے پہنچا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کا نبی جو داعیِ اول ہوتا ہے وہ سب سے پہلے ایمان لانے والا اور سب سے پہلے اطاعت کرنے والا ہوتا ہے (انا اول المومنین وانا اول المسلمین)۔ کارکن اور قیادت' ہر سطح پر' ہم میں سے ہر ایک کو' سب سے پہلے خود اپنی فکر کرنی چاہیے اور اس جذبے سے کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خود بھی دین پر قائم رہنے اور اس راہ پر ترقی کرنے کی توفیق بخشے اور اس لائق بنائے کہ ہم شہادت حق کا فریضہ کماحقہ' ادا کر سکیں:

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

اس کے لیے اخلاص کے ساتھ ساتھ علم، قول و فعل کی یک رنگی، حسن اخلاق، جذبۂ خدمت، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی پاس داری، صبر اور تحمل، مسلسل جدوجہد، کوشش اور قربانی کے جذبے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے کی ایک اور بڑی اہم ضرورت اپنے دائرے سے نکل کر دوسروں تک پہنچنا، عوام میں اٹھنا بیٹھنا، ان سے محبت اور ہمدردی کا معاملہ کرنا، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور ان کے دلوں کو موہ لینا ہے۔ یہ کام خودرائی، خودپسندی اور احساس برتری کے ساتھ انجام نہیں پا سکتا۔ حضورپاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک میں جہاں ہمیں خوش اخلاقی کا اعلیٰ ترین نمونہ نظر آتا ہے (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ القلم ۶۸:۴) وہیں آپ کے تمام معاملات، رہن سہن اور ملاپ میں بلا کا انکسار اور عام انسانوں جیسی سادگی اور ملنساری پائی جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی گواہی ہے: آپؐ فرماتے تھے: اجلس کما یجلس العبد میں اسی طرح اٹھتا بیٹھتا ہوں جس طرح خدا کا ایک عام بندہ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ جب آپؐ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو نصیحت فرمائی: احسن خلقك للناس لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق سے پیش آنا۔

آپؐ کا شوق دعوت اور دوسروں کی فکرگیری کی حالت یہ تھی کہ خود اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں آپؐ کو متوجہ فرماتا ہے کہ اے نبی! شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے (لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ الشعراء ۲۶:۳)۔ آپ کی لگن اور فکرمندی کا یہ حال تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ لوگ پروانوں کی طرح آگ میں گر رہے ہیں اور میں ان کی کمر پکڑ پکڑ کر ان کو آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں۔ آپؐ کی استقامت کی یہ کیفیت تھی کہ آزمایش کے سخت ترین مرحلے پر بھی برملا فرمایا: خدا کی قسم! اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دو تو پھر بھی میں بندگیِ رب کی دعوت سے قطعاً باز نہیں آؤں گا، میں اس راہ میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں، پسپائی اختیار نہیں کر سکتا۔ احساس ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ جب تھکے ہارے بخار کے عالم میں دارالارقم میں آرام کے چند لمحات کے دوران یہ اطلاع ملتی ہے کہ ایک قافلہ مکہ کے باہر آیا ہے تو دعوت پہنچانے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں آپؐ تھکے ہوئے ہیں، طبیعت بھی ناساز ہے، اس وقت آرام فرمالیں تو آپؐ کا ارشاد یہی ہوتا ہے کہ کیا خبر کل تک وہ قافلہ رخصت ہو جائے اور کیا پتا کل تک میرا ہی بلاوا آجائے! آرام اور استراحت ترک کر دیتے ہیں اور دعوت پہنچانے کے لیے روانہ ہو جاتے

ہیں--- صلی اللہ علیہ وسلم!

دعوت' تربیت اور اقامت دین کا کام انجام دینے کے لیے اس عزم' اس ہمت' اس ولولے' اس احساس ذمہ داری اور اس مجاہدے کی ضرورت ہے:

نگہ بلند' سخن دل نواز' جاں پُرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ صرف میرکارواں ہی کے لیے نہیں' ہر کارکن اور اس منزل کے ہر راہ رو کے لیے یہی رخت سفر ہے۔

اللھم اید الاسلام والمسلمین ۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولا تجعلنا معھم۔

اللھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما'

اے اللہ! جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد اور اسے قائم کرنے کی سعی کریں تو ان کی مدد فرما اور ہمیں ان میں سے کر دے

اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو رسوا کرے' تو ان کو رسوا کر دے اور ہم کو ان کے ساتھ نہ کرنا۔

اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عنایت فرما۔

اور باطل کو باطل دکھا' اور اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما--- آمین!

(ری پرنٹ دستیاب ہیں: منشورات ' منصورہ' لاہور)